کہ رہی معیری بجز شعر و شاعری بہ چیز دیگری نپرداخت و توجہ نکرد و بہ عبارت دیگر تمام عمرش بود و نبود خویش را در کار شعر و شاعری صرف کرد، پنداشتیم فقط شاعر بود و شاعر از دنیا رفت. در صورتیکہ با آشنائیہا و امکاناتی کہ رہی معیری داشت، بہ ہمہ چیزی می توانست رسید۔"

رہی معیری ایران کا وہ جدید شاعر ہے جس نے قدیم فارسی روایات کو اپنی شاعری میں برتا ہے۔ اس نے غزلیں، قطعے، مثنویاں وغیرہ لکھیں اور فارسی کے ان روایتی شعری قالبوں میں اپنے جدید اور تازہ مضامین کا اظہار کیا ہے اور اس طرح یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ نئے اور تازہ مطالب و موضوعات کو بیان کرنے کیلئے ضروری نہیں کہ ایک شاعر نئے اور اجنبی شعری قالبوں اور ہیئتوں کا استعمال کرے۔

رہی معیری بنیادی طور پر ایک غزل گو شاعر ہے۔ اسی وجہ سے اس نے فارسی کے قدیم اساتذہ غزل گو شعرا کی پیروی کی ہے۔ اس کی غزلوں میں مولانا روم، سعدی، حافظ، صائب تبریزی وغیرہ کا رنگ اور لے بڑی واضح نظر آتی ہے۔ رہی معیری نے ایران کے ان معروف غزل گو شعرا کی غزلوں کے جواب میں غزلیں بھی لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ رہی معیری کی غزلیات کا یہ بھی ایک دلچسپ پہلو ہے کہ اس نے سبک ہندی کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس کو درخور اعتنا سمجھا اور ہندوستانی فارسی شاعری کے ایک عظیم نمائندے فیضی فیاضی کی غزلیات پر توجہ دی اور ہندوستان کے اس مایۂ ناز شاعر کے اسلوب شاعری اور خیال پردازی کی پیروی کی۔

رہی معیری کا فیضی کی غزلیات کو درخور اعتنا سمجھنا، اس کی پیروی کرنا اور اس کے کلام کو خراج عقیدت پیش کرنا، اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستانی فارسی شاعری کا اسلوب پیچیدہ، مغلق اور نسبتاً دور از کار سہی لیکن اس کے باوجود اس میں ایسی خوبیاں ضرور مضمر ہیں جو آج بھی ایک صاحب ذوق اور اہل نظر کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہیں۔

رہی معیری کی غزلیات کا مطالعہ کیجئے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ سعدی اور حافظ

سے سب سے زیادہ متاثر ہے۔ فارسی شاعری کا طالب علم یہ جانتا ہے کہ سعدی اور حافظ ــــ کا مقام درحقیقت غزل کے میدان میں دوسرے فارسی غزل گو شعرا سے بلند تر ہے۔ اور اگر رہی معیری ان دونوں سے زیادہ متاثر ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سعدی اور حافظ سے اپنی گہری دلچسپی اور ان کے کلام سے راہنمائی حاصل کرنے کے ضمن میں رہی معیری نے اپنے اشعار میں جگہ جگہ اشارے کیے ہیں۔ سعدی شیرازی کے کلام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس کے کلام سے اثر پذیری کا اقرار رہی معیری اپنے اشعار میں اس طرح کرتے ہیں:

خاک شیراز کہ سرمنزل عشق است و امید قبلۂ مردم صاحبدل و صاحب نظر است
سرخوش از نالۂ مستانۂ سعدی است رہی ہمہ گویند ولی گفتۂ سعدی دگر است

اسی ضمن میں ایران کے ایک معاصر تنقید نگار اور معروف مصنف علی دشتی نے ایک قابل ذکر واقعہ بیان کیا ہے۔ علی دشتی نے اطلاع دی ہے کہ جب انھوں نے اپنی اہم کتاب نقشی از حافظ شائع کی تو کسی وقت رہی معیری سے ان کی ملاقات ہوئی۔ رہی نے اس کی کتاب کی ضرور تعریف کی ہوگی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے علی دشتی سے سعدی کے کلام و افکار کا اس قدر والہانہ اور مؤثر ذکر کیا کہ علی دشتی مجبور ہو گئے کہ وہ سعدی کے کلام پر بھی نقشی از حافظ کی طرح ایک کتاب سپرد قلم کریں۔ رہی معیری کی اسی ملاقات کا نتیجہ علی دشتی کی سعدی کے بارے میں دلچسپ کتاب قلمرو سعدی ہے۔

حافظ کے بارے میں رہی معیری نے ایک شعر میں اقرار کیا ہے کہ ان کے کلام کی سرمستی، سوز و ساز حافظ کے کلام کی دین ہے:-

از حریم خواجۂ شیرازمی آیم رہی پائی تا سرمستی و شورم، سراپا آتشم

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ رہی معیری نے ہندوستانی فارسی شاعری کے اسلوب کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ وہ فیضی کے کلام سے متاثر ہیں۔ فیضی کے کلام کی عاشقانہ گونج ان کے کانوں

تک پہنچی اور انہیں شکست کر دیا۔ رہی معرّی نے اس بارے میں یہ اقرار کیا ہے کہ:

یاد لیلی دگر بانگ عاشقانہ اوست　　　　اگر ترانۂ مستانہ ای سرودم من

رہی معرّی کی بعض غزلیات میں ہندوستانی فارسی شاعری کا رنگ بڑا واضح ہے

فکر و خیال کی پیچیدگی، دقیق فکر اور باریک بینی ہیں ان کے بعض اشعار میں بھی نظر آتی ہے

ملاحظہ کیجیے یہ شعر:

چرخ غارت پیشہ را با بینوایان کار نیست　　　　غنچۂ پژمردہ از تاراج گلشن فارغ است

یہ بات بہرحال ذہن نشین رہنی چاہیے کہ رہی معرّی نے اپنے کلام کو سبک ہندی کے دائرے میں ہی محدود نہیں رکھا۔ اس کے کلام میں الجھا دینے والی تشبیہات و استعارات و تراکیب کی بھرمار نہیں۔ اس کا کلام اسی وجہ سے کسی شرح و توضیح کے بغیر آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور اس کا اثر قاری کو فوراً اپنی دنیا میں لے جاتا ہے۔

رہی معرّی کی غزلیات کی ایک بنیادی خصوصیت ان میں الم ناکی کا اظہار ہے۔ رہی معرّی نے ایک مطمئن زندگی گذاری۔ سب اس کے دوست تھے کوئی ــــ دشمن نہیں تھا۔ اس کی زندگی نامرادیوں اور ناکامیوں کا مرقع بھی نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس کی غزلیات میں یاس و الم نظر آتا ہے اور یہی عنصر اس کی غزلیات کو قابل توجہ بھی بنا دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی طبیعت غم پرور ہے۔ اسی وجہ سے وہ جو کچھ تخلیق کرتا ہے وہ بھی غم پرور ہے اور اس میں غم کی لے تیز ہے۔ اس میں شب کی سی اداسی ہے:

سفر من رنگ شب و اہنگ غم دارد رہی　　　　زانکہ دارد نسبتی با خاطر غم پرورم

اس کا عقیدہ تھا کہ اس کے کلام کی غم آفرینی پڑھنے اور سننے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وہ خود کو روشن دل افراد کی محفل کی شمع سمجھتا ہے۔ یہ شمع ان اہل دل افراد کو گرماتی بھی ہے اور ان کے دامن دل پر اپنے سوز و گداز کا اثر بھی چھوڑتی ہے:

بودم شمع محفل روشن دلاں رہی　　　　رفتیم و داغ خویش بدلہا گذاشتیم

رتجی معیری نے مختلف محفلوں میں اپنے اشعار پڑھے۔ سننے والوں پر ان کا اثر محسوس کیا۔ لوگوں نے اس کے کلام کی تعریف کی۔ اس ردِ عمل سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ سوائے حاسدوں کے اور سب اس کے کلام کے قدردان اور حامی ہیں:

آن کیست کہ مدہوش غزل‌ہای رہی نیست جز حاسد مسکین کہ بہ راہ خردہ نگیریم

رہی معیری ایک کامیاب زندگی گذارنے کے بعد، شاعری، ادبی اور تمدنی میدان میں اپنا نقش جمانے کے بعد جمعرات کے دن آبان ماہ کی چوتھی تاریخ ۱۳۴۷ شمسی کو رحلت کر گئے۔ رہی معیری کی غزلیات کو خاص طور پر آج بھی اہل ایران دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کردار اور کارنامے

معروف صحافی و مضمون نگار محمد اظہر صدیقی نے اپنے تازہ مضمون میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ علیہ کی تمام اہم خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ اس ماہ مئی ۱۹۸۷ء بتیس تاریخ سے کر آخری تاریخوں تک متفرق اردو اخبارات مثلاً نئی دنیا، المشرق کلکتہ، گلابی کرن، خاتون مشرق اور کشمیر کے ان اخبارات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس سلسلہ میں محمد اظہر صدیقی کے آگے بھی معلوماتی مضامین آنے کی توقع ہے۔

آپ کا عمید الرحمٰن عثمانی۔

منطق وفلسفہ

ایک علمی وتحقیقی جائزہ

جناب محمد اطہر حسین قاسمی بستوی

بہت سے سنجیدہ، متین اور وسیع النظر فلاسفہ نے تحریری لٹریچروں کے ذریعہ
بھی فلسفہ کا رد لکھا، جن میں سرفہرست جرمنی کا مشہور فلسفی امینول کانٹ ہے
جس نے ۱۷۸۱ء میں ایک معرکۃ الآراء تصنیف "تنقید عقل محض" شائع کی، اس
کتاب نے دنیائے فکر وفلسفہ میں ہلچل مچا دی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے الفاظ
میں روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا، بلکہ مغرب میں اس کتاب
کا نہایت شاندار طریقہ پر استقبال کیا گیا اور کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا
کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کا عطیہ ہے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت جلد چہارم ص۲۱۱)

مسیحیوں کی یلغار ۱۳۰۵ء میں بارسلونا کے جراعظم سلیمان بن ادریس
نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو شخص ۲۵ برس کے سن
سے پیشتر فلسفہ کی تحصیل میں مشغول پایا جائے گا وہ برادری سے خارج

کر دیا جائے گا، اسی سے قریب قریب سار بون یونیورسٹی کے لوگوں نے پوپ الگزنڈر چہارم سے چھ سات برس کے عرصہ میں چالیس فرمان اس مضمون کے شائع کرائے کہ عربی فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے، اس کے بعد ۱۲۶۹ء میں ان لوگوں نے پیرس میں علماء کی ایک مجلس منعقد کی جس نے اس مضمون کا ایک فرمان صادر کیا کہ یہ مقدس مذہبی مجلس ان لوگوں کے فاسد العقیدہ ہونے کا فتویٰ دیتی ہے جو امور ذیل کے قائل ہوں: (۱) تمام انسانوں میں ایک ہی عقل پائی جاتی ہے (۲) عالم ازلی ہے (۳) انسان کا سلسلہ کسی آدم معین تک منتہی نہیں ہوتا (۴) نفس جسم کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے (۵) خدا جزئیات کا عالم نہیں (۶) بندوں کے افعال پر خدا کو کوئی اختیار حاصل نہیں (۷) خدا قابل فنا اشیاء کو ابدی نہیں کر سکتا۔

(تاریخ حکمائے اسلام جلد دوم ص۱۷۱)

۱۲۰۷ء میں پادریوں کی ایک مجلس پیرس میں منعقد ہوئی جس نے یہ اعلان کیا کہ ارسطو کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے، چنانچہ اموری؛ ور داؤد ونیشور کی کتابیں اس مجلس کے حکم سے جلا دی گئیں لیکن جب اس ممانعت کا کوئی اثر نہ ہوا تو ۱۲۱۵ء میں ایک اور مجلس منعقد کی گئی جس نے ارسطو اور ابن سینا کی کتابوں کے متعلق دوبارہ حرمت کا فتویٰ شائع کیا۔ ۱۲۳۱ء میں گرگیزری نہم نے حکم دیا کہ عربی فلسفہ کا پڑھنا قطعاً بند کر دیا جائے۔ شہنشاہ جسٹینین نے ۵۲۹ء میں ایک فرمان کے ذریعہ فلسفہ کی تعلیم ممنوع قرار دی اور روم اسکندریہ اور ایتھنز کے مدارس بند کرا دئے، اسی زمانے میں سمپلیس اور ڈیماسیس جو فلسفی تھے اور شہنشاہ کے معاصر تھے بزنطین کے حکم سے نکال دیئے گئے پھر ایران میں جا کر پناہ حاصل کی۔ ایران کا بادشاہ خسرو ان کے ساتھ قدر و منزلت

سے پیش آیا وہ زندگی بھر کوشش کرتا رہا کہ یہ دونوں کسی طرح اپنے وطن پہونچادئے جائیں مگر کامیاب نہ ہوا۔ (ابن رشد ص۲۷۹)

شہنشاہ تھیوڈوسیس کے زمانہ میں مصر کا عظیم الشان بطلیموسی فلسفی کتب خانہ تباہ ہو گیا، ہائی پیشیہ جو مصر میں یونانی فلسفہ کی آخری معلم تھی محض اس بنا پر قتل کی گئی کہ وہ عیسائیت کے مقابلہ میں ارسطو کے فلسفہ کی اشاعت کرتی تھی۔ اس ہولناک واقعہ کے بعد سے کچھ آپ سے آپ اور کچھ پادریوں کی کارروائیوں کی بنا پر فلسفہ کی تعلیم بالکل بند ہو گئی، مصر میں ۱۴ ۵ء میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص فلسفہ کی تعلیم میں مشغول پایا جائے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔

(ابن رشد ص۳۲۵)

فریڈرک دوم شہنشاہ جرمنی جس نے اپنے دور حکومت میں فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ نہایت کثرت سے کرایا اس پر چاروں طرف سے مسلسل حملے ہوئے وہ چالیس برس تک متواتر چرچ سے برسرپیکار رہا لیکن آخر کار اس کو شکست ہوئی اور جب وہ مرا تو پوپ انوسنٹ نے سسلی کے پادریوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ زمین و آسمان کے لئے مسرت کی گھڑی ہے کیونکہ اہل جہاں جس طوفانِ بلا میں پھنس گئے تھے اس سے مسیحی دنیا نے آخری مرتبہ نجات حاصل کی ہے۔ (ابن رشد ص۳۳۲)

۱۲۰۹ء میں جب پیرس میں کونسل منعقد ہوئی اور اس کی بنا پر اموری اور اس کے تلمیذ داؤد ڈینیٹو کی تصنیفات نذر آتش کی گئیں تو اس وقت پوپ کی جانب سے فلسفہ کے متعلق امتناعی حکم صادر ہوا اور لکھا گیا کہ ارسطو کی طبعیات اور ما بعد الطبیعیات کی کتابیں مع ان کی شروح و حواشی کے ممنوع الاشاعت قرار دی جاتی ہیں۔ (ابن رشد ص۳۴۰)